اکائی 10 مثنوی کی اقسام (اخلاقی، داستانوی، رزمیہ)

ساخت

10.1 اغراض ومقاصد

10.2 تمہید

10.3 مثنوی کی اقسام (اخلاقی، داستانوی، رزمیہ)

10.3.1 مثنوی کے موضوعات

10.3.2 مثنوی کی اقسام

10.3.3 ماحصل

10.4 آپ نے کیا سیکھا؟

10.5 اپنا امتحان خود لیجیے

10.6 سوالوں کے جوابات

10.7 فرہنگ

10.8 کتب برائے مطالعہ

10.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- مثنوی کے موضوعات سے واقف ہوں گے۔
- مثنوی کی مختلف اقسام کو سمجھیں گے۔
- مثنوی کی مختلف اقسام کے تحت نمائندہ مثنوی نگاروں سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- مثنوی کی مختلف اقسام کے تحت نمائندہ مثنویوں کی خصوصیات وامتیازات سے آگاہ ہوں گے۔
- جدید دور میں مثنوی کے موضوعات میں جو تبدیلی آئی، اس کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔

10.2 تمہید

عزیز طلبا! پچھلی اکائی میں آپ مثنوی کی تعریف، اجزائے ترکیبی اور اس کی فنی خصوصیات سے واقف ہوئے۔ آپ نے یہ معلومات بھی حاصل کیں کہ مثنوی کلاسیکی اُردو شاعری کی نمائندہ صنف ہے۔ اب اس اکائی میں آپ

مثنوی کے موضوعات، اس کی مختلف اقسام کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے، مثنوی کی مختلف اقسام کے تحت نمائندہ مثنوی نگاروں اور نمائندہ مثنویوں کی خصوصیات و امتیازات سے واقف ہوں گے اور جدید دور میں اُردو مثنوی کے موضوعات میں جو تبدیلی آئی ہے، اسے سمجھیں گے۔

10.3 مثنوی کی اقسام (اخلاقی، داستانوی، رزمیہ)

10.3.1 مثنوی کے موضوعات

اصناف شاعری میں غزل کی طرح ہی مثنوی بھی مقبول صنفِ سخن رہی ہے۔ مثنوی بیانیہ اور توضیحی صنفِ شاعری ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے مثنوی اپنے اندر بے حد گنجائش رکھتی ہے۔ اس میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ غیر معمولی سے معمولی چیز تک اس کا موضوع بن سکتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز، ہر طرح کے داخلی و خارجی مضامین کو مثنوی اپنے اندر سمونے کی اہلیت رکھتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب 'شعر العجم' میں صنفِ مثنوی کے بارے میں لکھا ہے:

> ''انواعِ شاعری میں یہ صنف تمام انواع شاعری کی بہ نسبت زیادہ مفید، زیادہ وسیع، زیادہ ہمہ گیر ہے۔ شاعری کے جس قدر انواع ہیں، سب اس میں نہایت خوبی سے ادا ہو سکتے ہیں۔ جذبات انسانی، مناظرِ قدرت، واقعہ نگاری، تخئیل ان تمام چیزوں کے لیے مثنوی سے زیادہ کوئی میدان ہاتھ نہیں آسکتا۔ مثنوی میں اکثر کوئی تاریخی واقعہ یا کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر زندگی اور معاشرت کے جس قدر پہلو ہیں، سب اس میں آجاتے ہیں۔ عشق ومحبت، رنج ومسرت، غیظ وغضب، کینہ و انتقام غرض جس قدر انسانی جذبات ہیں، سب کے یہاں دکھانے کا موقع مل سکتا ہے۔ تاریخ میں مختلف اور گونا گوں واقعات پیش آتے ہیں، اس لیے ہر قسم کی واقعہ نگاری کا کمال دکھایا جاسکتا ہے۔ مناظرِ قدرت، بہار وخزاں، گرمی وسردی، صبح وشام یا جنگل و بیابان، کوہ وصحرا، سبزہ زار وغیرہ کی تصویر کھینچی جاسکتی ہے۔ اخلاق، فلسفہ، تصوف کے مسائل نہایت تفصیل سے ادا کیے جاسکتے ہیں۔.... مثنوی کے لیے اشعار کی تعداد بھی محدود نہیں، اس لیے جس قدر وسعت دینا چاہیں، دے سکتے ہیں۔ مضامین کی بھی کوئی تخصیص نہیں؛ رزمیہ، عشقیہ، تصوف، فلسفہ، واقعہ نگاری جو مضمون چاہیں، مثنوی میں ادا کر سکتے ہیں۔''
>
> (علامہ شبلی نعمانی، شعر العجم، جلد چہارم، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۰۵، ۲۰۶)

مثنوی کی اقسام (اخلاقی، داستانوی، رزمیہ)

صنفِ مثنوی کے سلسلے میں خواجہ الطاف حسین حالی کی رائے ہے کہ:

''مثنوی اصنافِ سخن میں سب سے زیادہ مفید اور کار آمد صنف ہے کیوں کہ غزل یا قصیدے میں اس وجہ سے کہ اول سے آخر تک ایک قافیہ کی پابندی ہوتی ہے، ہر قسم کے مسلسل مضامین کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔..... الغرض جتنی صنفیں فارسی اور اُردو شاعری میں متداول ہیں، ان میں کوئی صنف مسلسل مضامین بیان کرنے کے قابل مثنوی سے بہتر نہیں ہے۔''

(خواجہ الطاف حسین حالی، مقدمۂ شعر و شاعری، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۰۲،۲۰۳)

امداد امام اثر صنفِ مثنوی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''مضامین کے اعتبار سے جو وسعت اس صنفِ شاعری کو حاصل ہے، کسی اور صنف کو نہیں ہے۔ ہر طرح کے داخلی اور خارجی مضامین اس میں گنجائش پاتے ہیں۔...... یہ وہ صنفِ شاعری ہے جس میں شاعر شاعری کا کمال حسب مراد دکھلاسکتا ہے۔''

(امداد امام اثر، کاشف الحقائق، مرتبہ، وہاب اشرفی، ترقی اُردو بیورو، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص: ۵۵۹،۵۶۰)

مذکورہ اقتباسات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مثنوی کے لیے موضوعات کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ شاعر جس موضوع پر چاہے مثنوی لکھ سکتا ہے۔ بیانیہ حکایتیں، تصوف و اخلاقیات، عقائد و کلام، تفسیر و فقہ، ہجو و مدح، طنز و مزاح، سیاست و صحافت، مکتوب و آپ بیتی، علوم و فنون، ساقی نامہ، بارہ ماسہ، عشق و عاشقی کی داستان، پریوں، دیوزادوں، شہزادوں اور شہزادیوں کے دل فریب قصے، رسم و رواج یہاں تک کہ نحو و صرف کی مثالیں اور بچوں کا ادب، ایسا کون سا موضوع ہے جسے مثنوی کی ہیئت میں نظم نہیں کیا گیا ہو۔ مذہبی واقعات، پند و نصائح، داستان حسن و محبت، میدان جنگ کی معرکہ خیزی، بزمِ طرب کی دل آویزی، رسوماتِ شادی و بیاہ، حیرت انگیز مافوق الفطری واقعات اور تاریخ کے علاوہ شہرِ آشوب سبھی کچھ مثنویوں کا موضوع ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ موضوعات کے اعتبار سے مثنوی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے مضامین میں بڑی وسعت اور تنوع ہے لیکن یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اُردو میں مثنوی کو عشقیہ موضوعات زیادہ راس آئے اور شعرائے اُردو نے اس موضوع پر شاہ کار تخلیقات پیش کیں۔ مُلّا وجہؔی کی مثنوی 'قطب مشتری' سراجؔ اورنگ آبادی کی مثنوی 'بوستان خیال' میر تقی میرؔ کی مثنوی 'دریائے عشق' اور 'شعلۂ عشق' میر حسنؔ کی مثنوی 'سحر البیان' میر اثرؔ کی مثنوی 'خواب و خیال' دیا شنکر نسیمؔ کی مثنوی 'گلزار نسیم' نواب مرزا شوقؔ کی مثنوی 'زہر عشق' اور داغؔ دہلوی کی مثنوی 'فریاد داغ' جیسی مشہور

مثنویاں بنیادی طور پر عشقیہ موضوعات پر مبنی ہیں۔اس لحاظ سے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اُردو میں صنفِ مثنوی کا بنیادی موضوع عشق رہا ہے۔اُردو مثنوی نگاروں نے ہر عہد میں زیادہ تر چند مخصوص موضوعات کو ہی عزیز جاں بنائے رکھا۔اُردو اور فارسی کی اہم مثنویوں پر غور کریں تو عشق و عاشقی کی داستان بیان کرنے والی، رزمیہ، حکمت وفلسفہ، اخلاق و آداب نیز مذہبی موضوعات کو پیش کرنے والی مثنویوں کی تعداد دیگر موضوعات پر لکھی گئی مثنویوں سے کہیں زیادہ ہے۔

مثنوی کے موضوعات کے اسی تنوع کے پیش نظر اُردو کے اہم ناقدین نے موضوع کے لحاظ سے اس کی تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے۔علامہ شبلی نعمانی نے رزمیہ، عشقیہ، اخلاقی قصہ وافسانہ، تصوف وفلسفہ کے تحت اُردو مثنوی کی تقسیم کی ہے۔امداد امام اثر نے رزم، بزم، حکمت، تصوف اور دیگر متفرقات کے طور پر مثنویوں کی موضوعاتی تقسیم کی ہے جب کہ گیان چند جین نے موضوع کے اعتبار سے مثنویوں کی تقسیم کو پے چیدہ عمل قرار دیا ہے اور ایسی تقسیم کو غیر مستحسن قرار دیا ہے۔البتہ انھوں نے اُردو کی طویل مثنویوں میں برتے گئے موضوعات کی فہرست سازی یوں کی ہے:

> ''اُردو میں ذیل کے موضوعات پر طویل مثنویاں لکھی گئیں۔ ۱۔ دیو وپری کی داستانیں جن میں عشق کا نمایاں مقام ہے۔۲۔ واردات عشق، ان میں قصہ کا عنصر بہت کم ہوتا ہے۔۳۔ معرفت، ۴۔ مذہب، ۵۔ تاریخ وسوانح، ۶۔ رزم، ۷۔ اخلاق وفلسفہ۔ جدید دور میں ملی، قومی اور سماجی مسائل، مناظرِ قدرت پر بھی مثنویاں لکھی گئیں۔ شاذ و نادر ان موضوعات کے علاوہ بھی مثنویاں لکھی گئیں۔ مثلاً کھٹمل، پسّو، مچھر وغیرہ کی مذمت میں لیکن یہ متنوع موضوعات مختصر مثنویوں تک محدود رہے۔''
>
> (ڈاکٹر گیان چند جین، اُردو مثنوی شمالی ہند میں، انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ، ۱۹۶۹ء، ص: ۹۰)

اُردو کے اہم نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اپنی کتاب 'ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں' میں مقامی موضوعات کے اعتبار سے مثنوی کو چھے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) مذہبی مثنویاں (۲) تاریخی مثنویاں (۳) معاشرتی کوائف و آثار سے متعلق مثنویاں (۴) فطری مظاہر یا موسموں کے بارے میں مثنویاں (۵) حب الوطنی سے متعلق مثنویاں (۶) ہندوستانی قصے کہانیوں سے ماخوذ مثنویاں۔

مذکورہ بالا تفصیلات موضوع کے اعتبار سے مثنوی کی متعدد اقسام پر روشنی ڈالتی ہیں۔ حالاں کہ ایسی تقسیم بہت کار آمد نہیں ہوسکتی ہے کیوں کہ ایک ہی مثنوی کئی کئی موضوعات پر بھی مشتمل ہوسکتی ہے۔کبھی ایک مثنوی عشق کے جذبات کو بیان کرتی ہے تو وہیں تصوف وسلوک کے موضوعات کو بھی پیش کرتی ہے۔کوئی مثنوی تاریخی واقعات پر

مثنوی کی اقسام (اخلاقی، داستانوی، رزمیہ)

مبنی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں رزم و بزم کا بیان بھی موجود ہے۔ ایسی بہت سی مثنویاں مل جائیں گی جن میں کسی ایک مخصوص موضوع کے بجائے کئی موضوعات شامل ہوتے ہیں لیکن ان میں کوئی ایک موضوع حاوی ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا موضوع متعین کیا جاتا ہے۔

10.3.2 مثنوی کی اقسام

اخلاقی مثنویاں: اُردو کی بیش تر ابتدائی مثنویاں مذہب و تصوف سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے انھیں مذہبی یا متصوفانہ مثنویاں کہا جاتا ہے۔ ایسی مثنویوں کو اخلاقی مثنویوں کے ذیل میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ان مثنویوں کا موضوع تصوف، مذہبی تعلیمات اور انسانی و اخلاقی اقدار رہا ہے۔ مثنوی کے ابتدائی نمونوں کے تعلق سے عبدالسلام ندوی نے قطب شاہ کی ایک نعتیہ مثنوی کا ذکر کیا ہے جب کہ بعض لوگوں نے ملا وجہی کی 'قطب مشتری' کو باضابطہ ابتدائی نمونہ تسلیم کیا ہے۔ حالاں کہ بعد میں سامنے آنے والی تحقیق سے یہ بات غلط ثابت ہو چکی ہے اور تحقیق کاروں نے بتایا ہے کہ مثنوی کے جو قدیم ترین نمونے ملتے ہیں، وہ بابا شیخ فرید گنج شکر سے منسوب ہیں۔ اسی طرح بعض محققین نے حضرت امیر خسرو کے کلام کے بعض حصوں کو مثنوی کے اولین نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔ کچھ محققین نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ بہاؤالدین برناوی اور سید ہاشم حسین علوی کے ملفوظات میں مثنوی کے ابتدائی نقوش کی نشان دہی کی ہے۔ ان تمام ابتدائی نمونوں کا نمایاں موضوع مذہب اور تصوف ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے مطابق حسن و عاشقی کے موضوع پر پہلی طویل مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' ہے۔ مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' سے قبل یا اس کے آس پاس کئی اہم مثنویاں وجود میں آچکی تھیں۔ اشرف بیابانی کی مثنوی 'نوسر ہار' یا پھر 'واحد باری' کا موضوع مذہب ہی ہے۔ 'واحد باری' کی تخلیق اشرف بیابانی نے امیر خسرو کے کلام 'خالق باری' کے طرز پر کی تھی۔ خوب محمد چشتی کی 'خوب ترنگ' اور شاہ میراں جی کی 'خوش نامہ' ابتدائی دور کی مثنویاں ہیں جن میں مذہبی و متصوفانہ موضوعات کو برتا گیا ہے۔ محبوب عالم شیخ محمد جیون کی مثنویاں 'محشر نامہ'، 'درد نامہ'، 'خواب نامہ پیغمبر' اور 'دھیر نامہ بی بی فاطمہ' مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ جہاں 'محشر نامہ' میں مذہبی عقائد و فقہی مسائل کا ذکر ہے، وہیں 'درد نامہ' میں رسول دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت اور وفات کا ذکر ملتا ہے۔ منیر شکوہ آبادی، محسن کاکوروی اور جگن ناتھ خوشتر وغیرہ نے مذہبی رنگ و آہنگ میں ڈوبی ہوئی مثنویاں تحریر کی ہیں۔ اُردو کے اہم مثنوی نگار میر حسن کی مثنوی 'رموز العارفین' مکارم اخلاق اور معارف و حکمت کے مضامین سے پُر ہے۔ اس مثنوی کے تعلق سے ایک اہم بات یہ کہی جاتی ہے کہ میر حسن نے 'منطق الطیر' اور مولانا روم کی مثنوی سے اثر قبول کیا ہے۔ اس لیے اس رنگ کے متعدد اشعار اس مثنوی کی زینت ہیں۔ مظفر علی اسیر کی مثنویاں 'معراج الفضائل'، 'ریاض المسلمین' اور 'خلاصۃ التقویٰ' مذہبی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ یہ تینوں طویل مثنویاں ہیں۔ مرزا سلامت علی دبیر اُردو کے اہم مرثیہ گو شاعر ہیں۔ ان کی مثنوی 'احسن القصص' دراصل رسول اللہ ﷺ اور اماموں کے حالاتِ زندگی اور فضائل و کمالات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی میں نعتیہ اشعار ہیں اور

جنگ کے منظرنامے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

دکن کے بہت سے شعرا نے مذہب وتصوف اوراسلامی اقدار وشخصیات کے تناظر میں مثنویاں لکھی ہیں۔اس لیے بلاتردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابتدائی دور کی اُردو مثنویوں میں مذہبی موضوعات کثرت سے آئے ہیں۔اُردو میں اسلامی افکاروخیالات کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک کے موضوعات نیز دیگر مذاہب جیسے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کونظر میں رکھ کربھی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعد کے ادوار میں بھی شعرا نے ان موضوعات کو برتنے سے گریز نہیں کیا ہے۔اس لحاظ سے اُردومثنویوں میں مذہبی اور متصوفانہ مثنویوں کی تعداد خاصی ہے۔

داستانوی اور عشقیہ مثنویاں: اُردو میں زیادہ تر عشقیہ مثنویاں لکھی گئی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ علمائے ادب نے عشقیہ داستان کومثنوی کا بنیادی موضوع قرار دیا ہے۔ان عشقیہ مثنویوں کو داستانوی مثنویوں کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔اُردومثنویوں میں داستان طرازی کا انداز واسلوب مختلف ضرور رہا ہے لیکن چاہے طبع زاد مثنویاں ہوں یا پھر کسی دوسری زبان سے ترجمہ شدہ ہوں، ان سب کے قصوں کا مرکزی نکتہ عشق ہی رہا ہے۔ مشہور ناقد پروفیسر ابوالکلام قاسمی اپنے مضمون 'اُردوشاعری کی کلاسیکی شعریات' میں رقم طراز ہیں:

> ''کہا جاتا ہے کہ مثنوی کا اصل مزاج داستانِ عشق کا بیان ہے۔ چوں کہ مثنوی کی صنف میں شروع سے ہی عام موضوعات سے کچھ زیادہ داستان کا عنصر شامل ہوگیا تھا،اس لیے واقعات اور بیانیہ کا استعمال اس کے اجزا میں بڑی اہمیت کا حامل ہوگیا مگراس کے ساتھ ہی عشق کے جذبات واحساسات اوران کی جزئیات کوبھی مثنوی کے اہم اجزا میں شامل تصور کیا جانے لگا۔مثنوی کو بیانیہ شاعری کی معراج بھی کہا جاتا ہے جس میں ہرخارجی مظہر یا واقعاتی بیان، انسان کی داخلی کیفیات اور مربوط یا پے چیدہ جذبات کاعکس بن کرنمودار ہوتا ہے۔''
>
> (اُردوشاعری کی کلاسیکی شعریات، مشمولہ، سہ ماہی فکروتحقیق، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء،قومی کونسل برائے فروغ اُردوزبان،نئی دہلی،ص:۱۵،۱۶)

وزیرآغا نے اپنی تصنیف 'اُردوشاعری کا مزاج' میں مثنوی کومحبت کی داستان بیان کرنے والی سب سے کارآمد صنف سخن قراردیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''مثنوی کا اصل مقصد محبت کی داستان کو بیان کرنا ہے۔اگر مثنوی کومختلف ومتنوع خارجی موضوعات کے لیے برتا جائے یا عشقیہ داستان کے بیان میں محض واقعات

کے بیان کو تمام تر اہمیت تفویض کردی جائے تو اس سے مثنوی کا اصل مزاج مجروح ہوتا ہے۔''

(وزیر آغا، اُردو شاعری کا مزاج، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۱۸)

بعض ناقدین نے مثنوی کو داستان عشق کے بیان کے لیے خاص گردانا ہے اور یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ جس مثنوی میں داستان عشق کا بیان نہ ہو، وہ مثنوی نہیں کہی جاسکتی ہے۔ حالاں کہ یہ بات درست نہیں ہے کیوں کہ اُردو مثنوی میں ابتدا سے ہی کسی خاص موضوع کی پابندی نہیں رہی ہے۔ مشہور محقق گیان چندجین نے بھی مثنوی کی موضوعاتی تخصیص سے انکار کیا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میر تقی میرؔ سے لے کر خواجہ الطاف حسین حالیؔ تک کی تمام اہم مثنویوں کا غالب موضوع عشق ہی ہے۔ غواصیؔ کی 'سیف الملوک و بدیع الجمال' ابن نشاطیؔ کی 'پھول بن' ملا وجہیؔ کی 'قطب مشتری' یا دکن کے دیگر شعرا کی مثنویاں اٹھا کر دیکھیے تو اس میں عشق و عاشقی کی داستان اور الفت و محبت کے جذبات سے پُر منظرنامے نظر آئیں گے۔ شمالی ہند کے شعرا نے بھی اس موضوع پر بہت سی مثنویاں لکھی ہیں۔ سوداؔ، میر سوزؔ، میر تقی میرؔ، قائمؔ چاند پوری، میر اثرؔ، مومنؔ، ذوقؔ، رنگینؔ، میر حسنؔ، دیا شنکر نسیمؔ اور مرزا شوقؔ لکھنوی وغیرہ کی مثنویاں عشقیہ بیانات و واقعات سے پُر ہیں۔

میر تقی میرؔ اُردو کے عظیم شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے تیس سے زائد مثنویاں لکھی ہیں۔ ان کی نمائندہ مثنویوں کے موضوعات پر نظر ڈالیں تو ان میں سے بیش تر عشق و محبت کے رنگ میں ہیں۔ 'شعلۂ عشق'، 'معاملاتِ عشق'، 'جوشِ عشق' اور 'دریائے عشق' جیسی ان کی اہم مثنویوں کا بنیادی موضوع حسن و عشق ہی ہے۔ ان مثنویوں میں بہ طور عاشق شاعر کا کردار بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اس لحاظ سے میرؔ کی مثنویوں کو کچھ لوگوں نے ان کی آپ بیتی بھی کہا ہے۔ میرؔ نے اپنی مثنوی 'دریائے عشق' کو نثر میں بھی تحریر کیا تھا۔ مصحفیؔ نے میرؔ کی اسی مثنوی کو از سر نو 'بحرالمحبت' کے نام سے نظم کیا ہے۔ بعض محققین نے راسخؔ عظیم آبادی کی مثنویوں 'جذبِ عشق' اور 'کششِ عشق' میں میر تقی میرؔ کی اسی مثنوی 'دریائے عشق' کے اجزا تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان مثنویوں کا اگر بہ غور مطالعہ کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ کسی نے کسی کی مثنوی سے قصہ اخذ کیا تو کسی نے اپنی ذہانت و ذکاوت کو بروئے کار لاکر اس قصے میں مزید رنگ شامل کرکے اسے وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔ دراصل عشق کا موضوع اردو مثنوی نگاروں کو بہت راس آیا۔ اسی لیے شعرا نے اس موضوع کو مختلف طریقوں سے اپنی مثنویوں میں برتنے کی کوشش کی ہے۔

کلیات مومنؔ میں طویل و مختصر بارہ مثنویاں ہیں۔ ان مثنویوں میں بیش تر مثنویاں عشقیہ قصوں اور جذبات سے لبریز ہیں۔ شکایت ستم، قصہ غم، قول غمیں، تف آتشیں، حنین مغموم اور آہ و زاریٔ مظلوم؛ سب کی سب مثنویاں عشق و عاشقی کی داستان بیان کرتی ہیں۔ مومنؔ کی مثنویوں کو ڈاکٹر گیان چند نے 'معاملاتِ عشق کی عمدہ شرح' کہا

ہے۔ راسخ عظیم آبادی نے تقریباً ۷ امثنویاں لکھی ہیں جن میں زیادہ تر کے موضوعات حسن وعشق سے وابستہ ہیں۔ داغ دہلوی کی مثنوی 'فریادِ داغ' نہایت دل چسپ اور حسن وعشق کی واردات کا خوب صورت بیانیہ ہے۔ صفیر بلگرامی کی مثنوی 'فتنۂ عشق'، تسلیم سہسوانی کی مثنوی 'سعدین'، مظہر لکھنوی کی مثنوی 'ریاضِ عشق'، عروج کی مثنوی 'عروجِ الفت' اور احسن لکھنوی کی مثنوی 'جذباتِ عشق' جیسی متعدد مثنویاں ہیں جن میں حسن وعشق کا بیان اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔

میر حسن کی مثنوی 'سحرالبیان' پڑھیے تو عشقیہ قصے کی دل چسپیاں قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ عشق ومحبت سے لبریز وہ قصے جو داستانوں میں موجود تھے، میر حسن کے ذوق سخن کے زیر اثر آئے تو 'سحرالبیان' جیسا عظیم کارنامہ وجود میں آیا۔ بدر منیر اور بے نظیر کی بے مثال داستان عشق اس مثنوی کی پہچان بن گئی۔ دیا شنکر نسیم کی مثنوی 'گلزار نسیم' بھی داستان عشق ومحبت ہی کا بیان ہے۔ تاج الملوک اور گل بکاؤلی کے قصے کو دیا شنکر نسیم کی جادو بیانی نے شاہ کار بنادیا ہے۔

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُردو کی بیش تر مثنویوں میں عشقیہ مضامین کی بہتات ہے۔ اسی لیے مثنوی کی ایک اہم قسم 'عشقیہ مثنوی' کہی جاسکتی ہے۔ یہاں چند اہم مثنویوں کا ذکر کیا گیا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی مثنویاں ہیں جن کو عشقیہ مضامین کے تحت رکھا جاسکتا ہے۔

رزمیہ مثنویاں: اُردو میں رزمیہ یا تاریخی وسوانحی مثنویاں بہت کم لکھی گئی ہیں۔ دکن کے بہت سے شاعروں سے رزمیہ مثنویاں منسوب ضرور ہیں تاہم کوئی بھی مثنوی کسی بڑے رزمیہ موضوع کو سمیٹی ہوئی نظر نہیں آتی۔ شعرا کے دربار سے انسلاک کے سبب چھوٹے چھوٹے واقعات کی عکس بندی ہوجاتی تھی یا بعض اوقات بادشاہِ وقت کی فرمائش پر کسی جنگ کے احوال رقم ہوجاتے تھے۔ اُردو میں رزمیہ موضوعات پر جو بھی مثنویاں ملتی ہیں، ان میں نصرتی کی مثنوی 'علی نامہ' سرفہرست ہے۔ مولوی عبدالحق نے 'علی نامہ' کو عہد بیجاپور کی ایک مستند تاریخ قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نصرتی کا کمال یہ ہے کہ اس نے تاریخی واقعات کو صحیح ترتیب اور بڑے احتیاط کے ساتھ برتا ہے۔ 'علی نامہ' کا ہیرو علی عادل شاہ ثانی ہے جو شجاعت و بہادری میں بے نظیر تھا۔ نصرتی نے جنگ کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اسی لیے انھوں نے 'علی نامہ' میں منظوم جنگی مناظر، فتح وکامرانی کی سرشاری، شکست وریخت سے دوچار فوجیوں کی پریشانی، بادشاہ کی انصاف پسندی، فیاضی وسخاوت اور رعایا پروری سے متعلق واقعات کو بڑے ہی مستند طریقے اور سلیقے سے بیان کیا ہے۔ یہ مثنوی ہر لحاظ سے اُردو زبان کا ایک شاہ کار ہے۔ 'تاریخ اسکندری' بھی ان کی ایک اہم مثنوی ہے جو عہد سکندر عادل شاہ کی تاریخ ہے لیکن اس کا معیار وہ نہیں ہے جو 'علی نامہ' کا ہے۔

مثنوی کی اقسام (اخلاقی،
داستانوی، رزمیہ)

حفیظؔ جالندھری کا 'شاہ نامۂ اسلام' اسلامی تاریخ پر مشتمل طویل مثنوی ہے۔ رستمی کی لکھی ہوئی مثنوی 'خاور نامہ' کو بھی رزمیہ مثنویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ عبدالغنی عبدلؔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دور کا شاعر ہے۔ اس کی مثنوی 'ابراہیم نامہ' میں ابراہیم عادل شاہ کی سوانح بیان کی گئی ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس مثنوی کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں کسی بادشاہ کی سوانح عمری منظوم کی گئی ہے۔ حسن شوقیؔ کئی سلطنتوں سے وابستہ رہا۔ اس کی مثنوی 'فتح نامہ نظام شاہ' میں جنگ کے حالات تفصیل سے درج کیے گئے ہیں۔ 'فتح نامہ نظام شاہ' ایک رزمیہ مثنوی ہے جس میں دکن کے سلاطین اور وجیانگر کے حکمراں 'رام راج' کے درمیان ہونے والی ایک فیصلہ کن جنگ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ واجد علی شاہ کی مثنوی 'حزن اختر' کا شمار سوانحی اور تاریخی مثنویوں میں کیا جاتا ہے۔ اس میں واجد علی شاہ نے اپنی معزولی اور قید و بند کی ساعتوں کو نظم کیا ہے۔ مشہور محقق گیان چند جین کے مطابق اس کی اہمیت ادبی سے زیادہ سوانحی اور تاریخی ہے۔ تاریخی مثنویوں میں امیر اللہ تسلیم کی مثنوی 'تاریخ رام پور' بھی اپنا خاص مقام رکھتی ہے۔ اس مثنوی کے تین حصے ہیں؛ تواریخ بدیع، تواریخ کامل، سفر نامۂ خسروی۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو میں رزمیہ، تاریخی اور سوانحی مثنویاں لکھی ضرور گئی ہیں لیکن ان میں 'علی نامہ' جیسا کوئی بڑا کارنامہ نظر نہیں آتا ہے۔

انجمنِ پنجاب کا قیام عمل میں آنے کے بعد مثنوی کے موضوعات میں تبدیلی آئی اور تنوع پیدا ہوا۔ حب الوطنی، وطن دوستی، موسم اور تیوہاروں کے موضوعات پر کئی مثنویاں لکھی گئیں۔ خود مولانا محمد حسین آزادؔ اور خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے حب الوطنی کے موضوع پر اچھی مثنویاں لکھی ہیں۔ دونوں نے 'حب وطن' کے نام سے مثنوی لکھی اور حب الوطنی کے تعلق سے اپنا نظریہ پیش کیا۔ اسماعیل میرٹھی کی 'کوہ ہمالہ'، 'بارش کا پہلا قطرہ' اور 'حب وطن' جیسی مثنویوں میں وطن سے محبت کی سرشاری نظر آتی ہے۔ شادؔ عظیم آبادی کی مثنوی 'مادرِ ہند' بھی اسی موضوع کی نمائندگی کرتی ہے۔ جاں نثارؔ اختر کی مثنوی 'امن نامہ' بھی وطن دوستی کے موضوع کو بیان کرتی ہے۔

جدید مثنویوں میں فطرت کو بھی خوب نظم کیا گیا ہے۔ حالیؔ کی 'برکھارُت' اس کی اہم مثال ہے جس میں گرمی کے موسم کا نقشہ نہایت خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اسماعیلؔ میرٹھی نے بھی 'رات'، 'ہوا چلی' اور 'برسات' وغیرہ میں قدرت کے مناظر کو منظوم کیا ہے۔ اس عہد میں اقبال کی 'ساقی نامہ' جیسی مثنوی بھی لکھی گئی جس میں فلسفۂ خودی کی تشریح و تعبیر کی گئی ہے۔ جمیلؔ مظہری نے فکری و فلسفیانہ مثنویاں لکھ کر جدید مثنوی کو نیا رنگ دیا ہے۔ علی سردار جعفری اور کیفیؔ اعظمی جیسے ترقی پسند شعرا نے سیاسی رنگ میں ڈوبی مثنویاں تحریر کیں۔ اس کے ساتھ ہی سماجی، اخلاقی، تعلیمی، اصلاحی اور سیاسی موضوعات کو بھی جدید مثنویوں میں نمایاں طور پر برتنے کی کوشش کی گئی ہے۔

10.3.3 ماحصل

اُردو کی بیش تر ابتدائی مثنویاں مذہب وتصوف سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے انھیں مذہبی یا متصوفانہ مثنویاں کہا جاتا ہے۔ ایسی مثنویوں کو اخلاقی مثنویوں کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان مثنویوں کا موضوع تصوف، مذہبی تعلیمات اور انسانی واخلاقی اقدار رہا ہے۔ مذہب وتصوف اُردو مثنوی کا موضوع ضرور رہا ہے لیکن اُردو مثنوی کو سب سے زیادہ عشقیہ موضوعات راس آئے۔ اُردو کے بیش تر کلاسیکی شعرا نے اُردو مثنویوں میں داستان عشق رقم کیا ہے۔ میر تقی میرؔ سے لے کر خواجہ الطاف حسین حالیؔ تک کی تمام اہم مثنویوں کا غالب موضوع عشق ہی ہے۔ غواصیؔ کی 'سیف الملوک وبدیع الجمال' ابن نشاطیؔ کی 'پھول بن' ملا وجہیؔ کی 'قطب مشتری' یا دکن کے دیگر شعرا کی مثنویاں اٹھا کر دیکھیے تو اس میں عشق وعاشقی کی داستان اور الفت ومحبت کے جذبات سے پُر منظر نامے نظر آئیں گے۔ شمالی ہند کے شعرا نے بھی اس موضوع پر کثرت سے مثنویاں لکھی ہیں۔ سوداؔ، میر سوزؔ، میر تقی میرؔ، قائمؔ چاند پوری، میر اثرؔ، مومنؔ، ذوقؔ، رنگینؔ، میر حسنؔ، دیا شنکر نسیمؔ اور مرزا شوقؔ لکھنوی وغیرہ کی مثنویاں عشقیہ بیانات و واقعات سے پُر ہیں۔ اُردو میں رزمیہ مثنویاں بھی لکھی گئی ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے۔ اُردو کی رزمیہ مثنویوں میں نصرتیؔ کی 'علی نامہ' سرفہرست ہے۔ مذہب وتصوف، اخلاقی آداب واقدار، حسن وعشق، رزم، تاریخ اور سوانح کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی مثنویاں تحریر کی گئی ہیں۔ مثنوی کی ہیئت میں شکار نامے بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ انجمنِ پنجاب کا قیام عمل میں آنے کے بعد مثنوی کے موضوعات میں تبدیلی آئی اور تنوع پیدا ہوا۔ حب الوطنی، وطن دوستی، موسم اور تیوہاروں کے موضوعات پر متعدد مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ جدید مثنویوں میں مناظرِ فطرت کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سماجی، اخلاقی، تعلیمی، اصلاحی اور سیاسی موضوعات کو بھی جدید مثنویوں میں نمایاں طور پر برتنے کی کوشش کی گئی ہے۔

10.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے:

- مثنوی کے موضوعات سے واقفیت حاصل کی۔
- مثنوی کی مختلف اقسام کو سمجھا۔
- مثنوی کی مختلف اقسام کے تحت نمائندہ مثنوی نگاروں سے واقفیت حاصل کی۔
- مثنوی کی مختلف اقسام کے تحت نمائندہ مثنویوں کی خصوصیات وامتیازات سے آگہی حاصل کی۔
- جدید دور میں مثنوی کے موضوعات میں جو تبدیلی آئی، اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

مثنوی کی اقسام (اخلاقی، داستانوی، رزمیہ)

10.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ مثنوی کے موضوعات سے بحث کیجیے۔

۲۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ کے مطابق مثنوی کی اقسام بتائیے۔

۳۔ اُردو کی ابتدائی مثنویوں پر اظہارِ خیال کیجیے۔

۴۔ اُردو میں زیادہ تر کن موضوعات پر مثنویاں لکھی گئیں؟

۵۔ اُردو میں رزمیہ مثنویوں کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

10.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ مثنوی کے لیے موضوعات کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ شاعر جس موضوع پر چاہے، مثنوی لکھ سکتا ہے۔ بیانیہ حکایتیں، تصوف و اخلاقیات، عقائد و کلام، تفسیر و فقہ، ہجو و مدح، طنز و مزاح، سیاست و صحافت، مکتوب و آپ بیتی، علوم و فنون، ساقی نامہ، بارہ ماسہ، عشق و عاشقی کی داستان، پریوں، دیوزادوں، شہزادوں اور شہزادیوں کے دل فریب قصے، رسم و رواج یہاں تک کہ نحو و صرف کی مثالیں اور بچوں کا ادب، ایسا کون سا موضوع ہے جسے مثنوی کی ہیئت میں نظم نہیں کیا گیا ہو۔ مذہبی واقعات، پند و نصائح، داستان حسن و محبت، میدان جنگ کی معرکہ خیزی، بزم طرب کی دل آویزی، رسوماتِ شادی و بیاہ، حیرت انگیز مافوق الفطری واقعات اور تاریخ کے علاوہ شہرِ آشوب، سبھی کچھ مثنویوں کا موضوع ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ موضوعات کے اعتبار سے مثنوی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے مضامین میں بڑی وسعت اور تنوع ہے لیکن یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اُردو مثنوی کو عشقیہ موضوعات زیادہ راس آئے اور شعرائے اُردو نے اس موضوع پر بے مثال تخلیقات پیش کیں۔

۲۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ کے مطابق مثنوی کی چھے قسمیں ہیں: (۱) مذہبی مثنویاں (۲) تاریخی مثنویاں (۳) معاشرتی کوائف و آثار سے متعلق مثنویاں (۴) فطری مظاہر یا موسموں کے بارے میں مثنویاں (۵) حب الوطنی سے متعلق مثنویاں (۶) ہندوستانی قصے کہانیوں سے ماخوذ مثنویاں۔

۳۔ اُردو کی بیش تر ابتدائی مثنویاں مذہبی اور متصوفانہ ہیں۔ ان مثنویوں کا موضوع تصوف اور مذہبی تعلیمات و اقدار رہا ہے۔ ابتدائی نمونوں کے تعلق سے عبدالسلام ندوی نے قطب شاہ کی ایک نعتیہ مثنوی کا ذکر کیا ہے۔ محققین کی رائے ہے کہ مثنوی کے جو قدیم ترین نمونے ملتے ہیں، وہ بابا شیخ فرید گنج شکر سے منسوب ہیں۔ بعض محققین نے حضرت امیر خسرؔو کے کلام کے بعض حصوں کو مثنوی کے اولین نمونے کے طور پر

پیش کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ بہاؤالدین برناوی اور سید ہاشم حسین علوی کے ملفوظات میں مثنوی کے ابتدائی نقوش کی نشان دہی کی ہے۔ ان تمام ابتدائی نمونوں کا نمایاں موضوع مذہب اور تصوف ہے۔

۴۔ اُردو میں زیادہ تر عشق ومحبت کے موضوعات پر مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ اُردو کے بیش تر کلاسیکی شعرا نے مثنویوں میں داستانِ عشق کو رقم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے ادب نے عشقیہ داستان کو مثنوی کا بنیادی موضوع قرار دیا ہے۔ ان عشقیہ مثنویوں کو داستانوی مثنویوں کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اُردو مثنویوں میں داستان طرازی کا انداز واسلوب مختلف ضرور رہا ہے لیکن چاہے طبع زاد مثنویاں ہوں یا پھر کسی دوسری زبان سے ترجمہ شدہ ہوں، ان سب کے قصوں کا مرکزی نکتہ عشق ہی رہا ہے۔

۵۔ اُردو میں رزمیہ یا تاریخی وسوانحی مثنویاں بہت کم لکھی گئی ہیں۔ دکن کے بہت سے شاعروں سے رزمیہ مثنویاں منسوب ضرور ہیں تاہم کوئی بھی مثنوی کسی بڑے رزمیہ موضوع کو سمیٹی ہوئی نظر نہیں آتی۔ شعرا کے دربار سے انسلاک کے سبب چھوٹے چھوٹے واقعات کی عکس بندی ہوجاتی تھی یا بعض اوقات بادشاہِ وقت کی فرمائش پر کسی جنگ کے احوال رقم ہوجاتے تھے۔ اُردو میں رزمیہ موضوعات پر جو بھی مثنویاں ملتی ہیں، ان میں نصرتی کی مثنوی 'علی نامہ' سرفہرست ہے۔ مولوی عبدالحق نے 'علی نامہ' کو عہد بیجاپور کی ایک مستند تاریخ قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نصرتی کا کمال یہ ہے کہ اس نے تاریخی واقعات کو صحیح ترتیب اور بڑے احتیاط کے ساتھ برتا ہے۔ 'علی نامہ' کا ہیرو علی عادل شاہ ثانی ہے جو شجاعت وبہادری میں بے نظیر تھا۔ نصرتی نے جنگ کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اسی لیے انھوں نے 'علی نامہ' میں منظوم جنگی مناظر، فتح وکامرانی کی سرشاری، شکست وریخت سے دوچار فوجیوں کی پریشانی، بادشاہ کی انصاف پسندی، فیاضی وسخاوت اور رعایا پروری سے متعلق واقعات کو بڑے ہی مستند طریقے اور سلیقے سے بیان کیا ہے۔ یہ مثنوی ہر لحاظ سے اُردو زبان کا ایک شاہ کار ہے۔ اُردو کی دیگر رزمیہ مثنویوں میں نصرتی کی 'تاریخ اسکندری'، رستمی کی 'خاور نامہ'، عبدالغنی عبدل کی 'ابراہیم نامہ' اور حسن شوقی کی 'فتح نامہ نظام شاہ' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

10.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معانی)
طرب	:	خوشی، انبساط

مثنوی کی اقسام (اخلاقی، داستانوی، رزمیہ)

شہر آشوب : آشوب کے لغوی معنی ہیں بربادی، بگاڑ یا فتنہ وفساد، شاعری کی اصطلاح میں شہر آشوب ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی شہر کی پریشانی، گردشِ آسمانی اور زمانے کی ناقدری کا بیان ہو

بارہ ماسہ : وہ نظم جس میں بیوی اپنے شوہر کی جدائی میں ہر مہینے اپنے دل پر گزرنے والی کیفیات کا اظہار کرتی ہے

رزمیہ : وہ داستان جس میں جنگ کے حالات وواقعات قلم بند کیے گئے ہوں

شکارنامہ : وہ منظوم یا منثور تحریر جس میں شکار کی کسی مہم کے حالات رقم کیے جائیں

اسرار : بھید، راز

مربوط : منسلک، جڑا ہوا

متنوع : گونا گوں، قسم قسم کا

تفویض : سپردگی، حوالگی، تحویل

مکارم : خوبیاں، اچھائیاں

رموز : ایما، اشارہ

معراج : بلندی، اعلیٰ درجہ

مظہر : ظاہر، ظاہر ہونے کی جگہ

آب وتاب : چمک دمک، آرائش، زیبائش

تخصیص : خصوصیت، خاص کرنا

تعبیر : تشریح، توضیح

لبریز : بھرا ہوا، پُر، لبالب

معرکہ خیز : ہنگامہ برپا کرنے والا، دھوم مچانے والا، زبردست

10.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔ اُردو مثنوی شمالی ہند میں : پروفیسر گیان چند جین

۲۔ مثنوی نگاری : علی جواد زیدی

۳۔ اُردو مثنوی کا ارتقا : پروفیسر عبدالقادر سروری

۴۔	اُردو مثنوی کا ارتقا (شمالی ہند میں)	:	سید محمد عقیل رضوی
۵۔	جدید اُردو مثنوی: فن اور فکری ابعاد	:	ڈاکٹر ظفر انصاری ظفؔر

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY